تصدیق
شمارہ07، جلد01، 2025

Article

A Critical Study of Yasmin Farooqi's Book "Fiqahiya Columnism and Nasrullah Khan"

یاسمین فاروقی کی کتاب "فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان" کا تنقیدی مطالعہ

[1]Nomaira Arshad, [2*]Dr. Sadaf Naqvi
[1]MPhil Scholar, [*2]Chairperson Department of Urdu, Government College Women University Faisalabad   Correspondence: sadafnaqvi@gcwuf.edu.pk

[1]نمیرہ ارشد، [2]ڈاکٹر صدف نقوی

[1]ایم۔فل اسکالر، [2]صدر شعبہ اردو، گورنمٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
Received:16-06-2025
Accepted:15-07-2025
Online:05-08-2025

Copyright: © 2025 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT

Humorous column writing in Urdu journalism has emerged as a vibrant genre that blends entertainment with thoughtful critique of social, political, and cultural behaviors. Among its most respected voices is Nasrullah Khan, whose work transcended mere amusement to provoke reflection through elegant satire and linguistic charm.

Nasrullah Khan’s columns were marked by spontaneity, simplicity, and refined humor. He addressed current affairs, politics, and human behavior with insight and grace, exposing contradictions, inequalities, and selfish interests in society. His writing style balanced wit with seriousness, making his columns both engaging and intellectually rich.

His most celebrated series, Adab Arz, gained immense popularity for its clever characters, sharp remarks, and literary finesse. These columns offered readers a unique blend of humor and cultural critique, elevating the genre to a form of literary expression.

Yasmeen Farooqi’s book Fakahiya Column Nigari aur Nasrullah Khan, published by Anjuman Taraqqi-e-Urdu, Karachi, is a significant scholarly contribution. It provides a comprehensive analysis of Nasrullah Khan’s literary background and his role in shaping humorous column writing. The book highlights his enduring influence and the depth of his satirical voice in Urdu literature, affirming his place as a master of the genre.

KEYWORDS: Urdu Journalism, Fakahiya Column Nigari, Nasrullah Khan, Tanz-o-Mazah

اخبارات و رسائل کے لیے طنزیہ ومزاحیہ تحریروں کا باقاعدہ آغاز لکھنؤ کے مشہور رسالے ''اودھ پنچ'' سے ہوا، جس کے مدیر منشی سجاد حسین تھے۔اس رسالے کو اس قدر شہرت حاصل ہوئی کہ اس کے بعد کئی اخبارات و رسائل ایسے جاری ہوئے جن کے نام میں ''پنچ'' کا اضافہ کیا گیا، مثلاً سرپنچ ہند، لکھنؤ پنچ، پنجاب پنچ، لاہور پنچ اور کلکتہ پنچ وغیرہ۔ان رسائل کی مقبولیت نے طنزیہ ومزاحیہ طرزِ تحریر کو اردو صحافت کا ایک لازمی حصہ بنادیا۔اس اسلوب میں جن شخصیات نے نمایاں مقام حاصل کیا،ان میں مولانا ظفر علی خان، چراغ حسن حسرت، شوکت تھانوی، عبدالمجید سالک اور دیگر نام شامل ہیں جنھوں نے اپنے دور میں قارئین کو خوب محظوظ کیا۔

تقسیم ہند کے آس پاس بھی یہ روایت جاری رہی اور مجید لاہوری، ابراہیم جلیس، ابنِ انشا جیسے ادیب اس میدان میں کامیابی سے سرگرم رہے۔انہی دنوں نصراللہ خان نے بھی طنز و مزاح کے میدان میں قدم رکھا اور اپنی ادبی شگفتگی سے صحافت کے افق کو روشن کیا۔ان کی تحریروں کا رنگ نرالا اور اسلوب دلکش تھا، جس نے قارئین کو متاثر کیا۔ان کے شاداب قلم سے برسوں ادبی گلکاریاں ہوتی رہیں۔ان کی طویل اور گراں قدر خدمات اس امر کا تقاضا کرتی تھیں کہ ان پر تحقیقی کام کیا جائے یہ خلا یاسمین سلطانہ فاروقی نے بخوبی پُر کیا اور ''فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان'' کے عنوان سے ایک جامع پی ایچ ڈی مقالہ تحریر کیا جو کہ انجمن ترقی اُردو سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ان کے نگران پروفیسر ڈاکٹر طاہر مسعود تھے، جن کی علمی رہنمائی نے تحقیق کو مزید وقعت بخشی۔ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی نے اس تحقیقی کام میں پانچ ابواب کے ذریعے نصراللہ خان کے سوانحی حالات سے لے کر ان کے ادبی کمالات تک کا احاطہ کیا ہے۔

اردو صحافت میں فکاہیہ کالم نگاری ایک دل چسپ اور اہم صنف کے طور پر ابھری ہے جس نے قارئین کو نہ صرف محظوظ کیا بلکہ معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی رویوں پر طنز و مزاح کے ذریعے گہری باتیں کہنے کا موقع بھی فراہم کیا۔اس صنف میں نصراللہ خان کا نام نہایت وقعت اور عزت سے لیا جاتا ہے۔انہوں نے طنز و مزاح کو محض ہنسانے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اپنے کالموں کے ذریعے قاری کو سوچنے پر بھی مجبور کیا۔نصراللہ خان کی تحریریں زبان و بیان کی شگفتگی، برجستگی اور سادہ مگر مؤثر طنز سے بھرپور ہوتی تھیں۔ وہ حالاتِ حاضرہ، سیاست، سماج اور انسانی رویوں پر نہایت خوب صورتی سے روشنی ڈالتے اور اپنے مخصوص اسلوب میں معاشرتی ناہمواریوں، تضادات اور مفاد پرستیوں کو بے نقاب کرتے۔ان کا انداز تحریر نہ صرف مزاحیہ ہوتا بلکہ سنجیدگی اور بصیرت سے بھی بھرپور ہوتا تھا۔ان کی فکاہیہ کالم نگاری کا سب سے معروف سلسلہ "آداب عرض" کے عنوان سے شائع ہوتا رہا، جو قارئین میں بے حد مقبول ہوا۔ان کے کالم دل چسپ کرداروں، چبھتے ہوئے جملوں اور نفیس زبان کے امتزاج سے ایک ادبی

تجربہ محسوس ہوتے ہیں۔ محمد سلیم ڈوگر فکاہیہ کالم کے بارے میں لکھتے ہیں؛

"فکاہیہ کالم انتہائی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں اور انہیں کالم کی مقبول ترین صنف قرار دیا جاتا ہے"۔(1)

نصر اللہ خان کا شمار اردو کے معروف فکاہیہ کالم نگاروں میں ہوتا ہے۔انھوں نے نہ صرف کالم نویسی میں نام کمایا بلکہ ڈرامہ نگاری، شخصی خاکہ نویسی اور تذکرہ نگاری میں بھی نمایاں کارکردگی دکھائی۔ان کا اسلوب منفرد، شگفتہ اور رواں تھا، جو انھیں اپنے ہم عصر ادیبوں میں ممتاز کرتا ہے۔ نصر اللہ خان بطور فکاہیہ کالم نگار کئی معروف اخبارات ورسائل سے وابستہ رہے۔ان کی نثر پر مشتمل تحریریں ادبی صفحات کی زینت بنتی رہیں۔ان کی تحریروں کی شگفتگی اور سلاست نے انھیں ایک صاحبِ اسلوب اور مؤثر کالم نگار کے طور پر شناخت عطا کی۔ نصر اللہ خان نے اردو فکاہیہ ادب کو نئی جہت دی۔ان کے کالم صرف مزاحیہ نہیں تھے، بلکہ ان میں فکری گہرائی، معاشرتی تنقید، اور سیاسی شعور بھی موجود ہوتا۔ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی لکھتی ہیں:

"وہ ایک ایسے Rightist تھے جس کے نہ ظاہر پر ٹوپی بھی تھی نہ چہرے پہ ڈاڑھی تھی۔ انھوں نے جس بات کو جہاں حق تصور کیا، کہہ دیا۔"(2)

نصر اللہ خان کو اردو صحافت کا ایک بڑا نام تسلیم کیا جاتا ہے۔ان کی تحریریں ہر طبقۂ فکر اور سماج میں یکساں طور پر پسند کی گئیں۔ ان کا کالم "آداب عرض" قارئین میں بے حد مقبول ہوا۔ تقسیم ہند کے بعد نصر اللہ خان 1949ء سے 1953ء کے دوران ریڈیو پاکستان کراچی میں بطور پروڈیوسر خدمات انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں وہ روزنامہ انقلاب لاہور، روزنامہ حرّیت کراچی اور روزنامہ جنگ کراچی سے وابستہ ہو گئے۔ "آداب عرض" کے عنوان سے ان کا کالم بہت مقبول ہوا۔ نصر اللہ خان نے اردو صحافت کا آغاز مولانا ظفر علی خان کے زیر ادارت نکلنے والے اخبار زمیندار سے کیا۔اسی ادارے میں ان کی فکری اور قلمی تربیت ہوئی۔انھوں نے اپنے صحافتی کیریئر کا آغاز "زمیندار" اور "مساوات" میں مضامین لکھنے سے کیا۔ بعد ازاں وہ "روزنامہ حریت"، "روزنامہ جنگ" اور "ہفت روزہ تکبیر" جیسے بڑے اداروں سے وابستہ رہے۔ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی لکھتی ہیں:

"نصر اللہ خان وہ واحد فکاہیہ کالم نویس ہیں جنھوں نے کم و بیش نصف صدی تک مسلسل کالم نویسی کی۔"(3)

پاکستان میں صحافتی زندگی کے دوران انھوں نے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والی اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں اور ان کے تجربات و مشاہدات کو شگفتہ انداز میں تحریر کیا۔ نصر اللہ خان اردو صحافت کے اُن درخشندہ ستاروں میں شامل ہیں جنھوں

نے نصف صدی سے زائد عرصے تک فکاہیہ کالم نگاری کو اپنے شگفتہ اسلوب کے ساتھ زندہ رکھا۔ان کا شمار اردو کے ان نثر نگاروں میں ہوتا ہے جن کی تحریریں نہ صرف مزاحیہ تھیں بلکہ معاشرتی اور سیاسی حالات پر گہری نظر بھی رکھتی تھیں۔ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی لکھتی ہیں:

"نصر اللہ خان کا شمار اردو صحافت کے معروف فکاہیہ کالم نگاروں میں ہوتا ہے۔انھوں نے اپنے منفرد اور شگفتہ اسلوب کی بنا پر اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔"(4)

نصر اللہ خان نے جن علما، سیاست دانوں، ادیبوں، شاعروں، فن کاروں اور موسیقاروں سے ملاقاتیں کیں، ان پر مبنی خاکوں کو ایک خوب صورت کتاب کی صورت میں پیش کیا۔یہ کتاب "کیا قافلہ جاتا ہے 1984ء میں شائع ہوئی۔اس میں وہ اہم واقعات اور شخصیات بیان کی گئی ہیں جو تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے اہم ہیں۔یہ کتاب اس لیے بھی معتبر سمجھی جاتی ہے کہ مصنف نے مختلف تہذیبوں کو قریب سے دیکھا اور مشاہیر وقت سے ملاقات کی۔

نصر اللہ خان کی دیگر مشہور تصانیف میں:"بات سے بات"(کالموں کا مجموعہ)،"لائٹ ہاؤس کے محافظ"(ڈرامہ)اور "اک شخص مجھی سا تھا"(سوانح عمری)شامل ہیں، جو ان کے فکری و ادبی کمالات کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔نصر اللہ خان کی کالم نگاری میں شگفتگی، طنز، سادگی اور گہرائی کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ان کا انداز گفتگو قاری کو مسکرانے پر مجبور کر دیتا تھا، مگر ساتھ ہی وہ سماجی برائیوں اور سیاسی ناہمواریوں پر بھی گہری چوٹ کرتے۔ شفیق جالندھری کالم کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"کالم کا وجود اخبار کی خبروں اور مضامین کے اسلوب بیان، مواد اور فکر و خیال میں یوں موجود تھا جیسے جسم انسانی کے رگ وریشہ میں روح اور جان"۔(5)

ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی نصر اللہ خان کے کالم کے حوالے سے لکھتی ہیں:

"ان کی تحریر کی شگفتگی اور روانی نے قارئین کو نہ صرف ان کی طرف متوجہ کیے رکھا بلکہ ایک صاحب اسلوب کالم نگار کی پہچان بھی دی۔"(6)

نصر اللہ خان کے دوستوں میں ابن انشاء، ابراہیم جلیس، جمیل الدین عالی، چراغ حسن حسرت، اور انور مقصود جیسے قد آور ادیب شامل تھے۔ان کی علمی و ادبی محفلیں ہمیشہ سنجیدگی اور خوش مزاجی کا حسین امتزاج ہوا کرتی تھیں۔ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی لکھتی ہیں:

"ان کے دوستوں اور ساتھیوں میں طفیل احمد جمالی، مبارک علی رضا، ابوالخیر کشفی...اور انور

مقصود سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔"(7)

نصر اللہ خان کی شخصیت میں معلمی کی روح بھی تھی۔انھوں نے "ہیپی ڈیل اسکول" کی بنیاد رکھی، جس کا مقصد کم آمدنی والے بچوں کو معیاری تعلیم فراہم کرنا تھا۔ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی لکھتی ہیں:

"نصر اللہ خان نے ایک بہترین تعلیمی ادارہ ان بچوں کے لیے قائم کیا جو آمدنی میں کمی کے باعث اچھی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔"(8)

ان کے کالموں، نثر نگاری اور فکاہیہ اسلوب نے اردو صحافت کو ایک نیا رنگ دیا۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق بھی ان کی نثر سے متاثر تھے۔ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی لکھتی ہیں:

"مولوی عبدالحق نے ان سے کہا، 'آپ جیسی عمدہ نثر لکھتے ہیں، ویسی ہی عمدہ نثر بولتے بھی ہیں۔"(9)

نصر اللہ خان کا قلم، محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ایسا ہتھیار بن گیا تھا جو اقتدار کی جھوٹی چمک، ناانصافیوں اور عوامی مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے استعمال ہوتا۔ایسے بے باک اور جرأت مند صحافیوں نے حکمرانوں کی پالیسیوں، بدعنوانی، سنسر شپ اور عوامی استحصال کے خلاف آواز بلند کی، جس کے نتیجے میں انہیں اکثر ریاستی جبر کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ سچ لکھنے کی پاداش میں مقدمات کا سامنا کرتے، پابند سلاسل ہوتے اور جیلوں کی صعوبتیں جھیلتے، لیکن اپنے قلم کی حرمت پر کوئی آنچ نہ آنے دیتے۔ان کی تحریروں نے معاشرے میں شعور اور بیداری پیدا کی، اور شخصی صحافت کو محض پیشہ نہیں بلکہ ایک مشن کا درجہ عطا کیا۔یہی وہ دور تھا جب صحافیوں نے اپنے کردار کو صرف مشاہدہ کرنے والے کے طور پر نہیں بلکہ ایک فعال اور مؤثر سماجی قوت کے طور پر منوایا، اور ان کی قربانیاں صحافت کے سنہرے ابواب کا حصہ بن گئیں:

"وہ زمانہ شخصی صحافت کے لیے نیا تھا، چونکہ نو وارد اکثر جارحانہ مزاج لیے ہوتے ہیں، اس لیے بے باک و جرأت مند صحافیوں کو سچ کی پاداش میں جیلوں کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔۔۔"(10)

کالم نگار کے خیالات، مشاہدات، اور تبصرے قاری کے شعور کا حصہ بننے لگتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات قاری پہلے ہی اندازہ لگا لیتا ہے کہ اس مخصوص موضوع پر اس کا پسندیدہ کالم نگار کیا موقف رکھے گا۔ یہ تعلق یک طرفہ نہیں رہتا بلکہ اس میں جذبات، نظریات اور فہم وادراک کا ایک خاموش تبادلہ ہوتا ہے، جو تحریر کے ذریعے ایک مضبوط اور پائیدار ذہنی رشتہ تشکیل دیتا

ہے۔ یہی ہم آہنگی کالم کو محض ایک رائے یا خبر سے کہیں آگے لے جا کر اسے ایک فکری مکالمے میں تبدیل کر دیتی ہے، جو قاری کے شعور اور کالم نگار کے اظہار کے درمیان ایک پل کا کام کرتی ہے۔ کالم اور قاری کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ایک مستقل رشتہ بن جاتی ہے:

"وقت گزرنے کے ساتھ قاری اور کالم نگار کے درمیان ایک ذہنی ہم آہنگی کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔۔۔"(11)

یہ ذہنی ہم آہنگی اس لیے ممکن ہوتی ہے کہ قاری کالم نگار کی بصیرت، اندازِ فکر اور دیانت کو تسلیم کرتا ہے۔ کالم نگار کی تحریر محض لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ قاری کے شعور پر اثر ڈالنے والا فکری مکالمہ ہے۔ کالم کا آغاز اور اختتام اُسے مؤثر بناتا ہے:

"بعض اوقات کالم کا آغاز اور اختتام زوردار ہوتا ہے جبکہ نفسِ مضمون ڈھیلا ڈھالا اور پھسپھسا رہ جاتا ہے بعض اوقات کالموں کا ابتدائیہ اور اختتامیہ تو پرکشش نہیں البتہ نفسِ مضمون زیادہ توجہ طلب اور جاندار ہوتا ہے"۔(12)

لیکن نصر اللہ خان کے کالم جان دار اور توجہ طلب ہوتے ہیں۔ کالم نگاری کی سب سے دلچسپ جہت اس کی مختلف النوع اقسام ہیں جن میں سنجیدہ، نیم سنجیدہ، فکاہیہ، مذہبی، ادبی، قانونی، سائنسی و تعلیمی موضوعات شامل ہیں۔

"کالم کسی کے ذاتی خیال پر بھی مبنی ہو سکتا ہے اور دوسروں کے خیالات پر بھی۔۔۔ سائنس، طب، فیشن وغیرہ کے تخصیصی موضوعات پر بھی لکھا جا سکتا ہے۔۔"(13)

یہ بیان اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ کالم کسی ایک موضوع یا طرزِ بیان تک محدود نہیں بلکہ یہ ایک وسیع صحافتی فن ہے جس میں تنوع اور وسعت موجود ہے۔ اس تنوع کی جھلک کالم نگاروں کی فہرست سے بھی ظاہر ہوتی ہے جن کا تعلق مختلف پیشوں سے ہے۔ فکاہیہ کالم، کالم نگاری کی وہ صنف ہے جو بظاہر ہنسی مذاق میں لپٹا ہوا ہوتا ہے لیکن درحقیقت سنجیدہ مسائل پر گہری طنز بھی ہوتا ہے۔ فکاہیہ کالم نگار معاشرتی ناہمواریوں، سیاسی بے ضابطگیوں، عوامی مسائل، اخلاقی زوال اور روزمرہ زندگی کی الجھنوں کو ہلکے پھلکے، مگر معنی خیز انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ قاری کو بظاہر ہنسارہا ہوتا ہے، لیکن حقیقتاً اُسے سوچنے، سمجھنے اور بعض اوقات چونکنے پر مجبور بھی کر دیتا ہے۔ فکاہیہ کالم کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ یہ قاری کو بور کیے بغیر اس کے شعور کو جھنجھوڑتا ہے اور اپنی بات کو ایسے دل نشین پیرائے میں کہتا ہے کہ تلخی محسوس نہیں ہوتی، مگر اثر گہرا چھوڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکاہیہ کالم صرف تفریح کا ذریعہ نہیں، بلکہ ایک فکری اور تہذیبی وظیفہ بھی بن جاتا ہے جو مزاح کی مدد سے معاشرتی بیداری کی راہ ہموار کرتا ہے۔

"فکاہیہ کالم، کالموں کی وہ قسم ہے جس میں کالم نگار ہلکے پھلکے مزاحیہ انداز میں اپنا موقف بیان کرتا ہے اور مزاحیہ پیرائے میں سنجیدہ بات، معاشرتی مسائل اور دیگر معاملات کو آسانی سے کہہ جاتا ہے۔"(14)

یہ اقتباس اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ فکاہیہ کالم کی اصل قوت اس کی زبان، انداز اور تاثیر میں ہے۔ یہ ایک ایسی صنف ہے جو قاری کو محظوظ کرتے ہوئے سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ مکمل فکاہیہ دراصل مزاح نگاری کی وہ بلند ترین شکل ہے جس میں صرف لطیف پیرایہ یا ہنسی مذاق ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے ایک گہرا، باریک بین مشاہدہ، زبان پر دسترس، اور تحریر کی ایک خاص قسم کی روانی اور دلکشی درکار ہوتی ہے۔ مکمل فکاہیہ وہ ہوتا ہے جو نہ صرف قاری کو ابتدا ہی سے اپنی گرفت میں لے لے بلکہ اسے آخر تک دلچسپی اور تحیر میں مبتلا رکھے، ساتھ ہی ساتھ کسی نہ کسی سنجیدہ نکتے یا معاشرتی حقیقت کو نہایت ہنر مندی سے اجاگر بھی کرے۔ اس میں کردار، ماحول، واقعات اور زبان کا باہمی تاثر ایک مکمل تجربے کی شکل اختیار کرتا ہے۔

ایک اچھا فکاہیہ نگار طنز و مزاح کے تمام تر حربے استعمال کرتا ہے لیکن حدِ ادب اور فنی توازن کو قائم رکھتے ہوئے۔ وہ قاری کو محض ہنسانے کی غرض سے نہیں لکھتا بلکہ قاری کی فکری تربیت اور معاشرتی اصلاح کو لطیف پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ مکمل فکاہیہ وہی ہوتا ہے جس میں تحریر محض لفظوں کا مجموعہ نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے ایک فنکار کا گہرا مشاہدہ، جاندار اسلوب اور ایک باشعور ذہن کارفرما ہو، جو روزمرہ کی عام سی بات کو بھی غیر معمولی انداز میں پیش کر کے قاری کے لبوں پر مسکراہٹ اور دل میں خیال پیدا کر دیتا ہے۔ یاسمین سلطانہ لکھتی ہیں:

"مکمل فکاہیہ کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ اس میں بھرپور مشاہدے اور دل کش اندازِ تحریر سے ہی مکمل کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔۔۔"(15)

یہ وضاحت فکاہیہ کالم نگار کی فکری گہرائی اور مشاہداتی صلاحیت پر زور دیتی ہے۔ ایسا کالم نگار سماجی معاملات کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ قاری مسکرا کر تلخ حقیقت کو قبول کر لے۔ مشہور کالم نگاروں جیسے عطاالحق قاسمی، ڈاکٹر یونس بٹ، فاروق قیصر، اور اطہر شاہ خان جیدی نے فکاہیہ کالم نگاری کو بام عروج پر پہنچایا۔

فکاہیہ کالم نگاری اگر صرف مزاح تک محدود رہے تو وہ محض تفریح بن کر رہ جاتی ہے، لیکن جب اس میں طنز کی چبھن شامل ہو جائے تو یہ تحریر نہ صرف قاری کو ہنسا سکتی ہے بلکہ چونکا بھی سکتی ہے۔ ایک کامیاب فکاہیہ کالم نگار ان دونوں عناصر کو متوازن انداز میں استعمال کرتا ہے؛ وہ کسی کی تضحیک کیے بغیر حقیقت کی پردہ کشائی کرتا ہے اور سنجیدہ موضوعات کو اس انداز سے

پیش کرتا ہے کہ قاری کو بات بھی سمجھ آجائے اور دل بھی خوش ہو۔ چنانچہ طنز و مزاح فکاہیہ کالم نگاری کے وہ دو پر ہیں جن کے بغیر یہ صنف پرواز نہیں کر سکتی۔

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ طنز اور مزاح کا امتزاج ہی فکاہیہ کالم کو مؤثر بناتا ہے۔ طنز، معاشرتی خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے اور مزاح ان نشاندہیوں کو برداشت کے قابل بناتا ہے۔ آخر میں یوسفی کا حوالہ اس فن کی فطری اہمیت کو یوں اجاگر کرتا ہے:

"حسِ مزاح ہی دراصل انسان کی چھٹی حس ہے، یہ ہو تو انسان ہر مقام سے آسانی سے گزر جاتا ہے۔"(16)

یہ اقتباس فکاہیہ کالم نگاری کے انسانی نفسیات پر مثبت اثرات کا اعتراف ہے۔ یہ نہ صرف معاشرتی شعور کو فروغ دیتی ہے بلکہ قاری کے ذہنی تناؤ کو بھی کم کرتی ہے۔ فکاہیہ کالم نگاری اردو صحافت کی وہ جہت ہے جس میں ہنسی مذاق کے پردے میں سنجیدہ مسائل پر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے۔ یاسمین سلطانہ فاروقی کے مطابق:

"اگر ہنسنے ہنسانے کا یہ عمل صرف وقتی خوش طبعی اور بے ضرر دل لگی تک محدود ہو تو اسے ظرافت کا نام دیا جاتا ہے، لیکن جب اس ظرافت کی تہہ میں شعوری یا لاشعوری طور پر کوئی دل آزارانہ یا اصلاحی مقصد پوشیدہ ہو تو اسے طنز سے موسوم کرتے ہیں۔"(17)

یہ اقتباس بتاتا ہے کہ فکاہیہ کالم مزاح اور طنز کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے، جو صرف ہنسانے کا ذریعہ نہیں بلکہ اصلاح کا ہتھیار بھی ہے۔ مزاح نگار سماجی ناہمواریوں، بدعنوانیوں اور اخلاقی زوال پر تنقید کرتے ہوئے قاری کو نہ صرف تفریح فراہم کرتا ہے بلکہ اس کی فکری تربیت بھی کرتا ہے۔

اردو صحافت میں فکاہیہ کالم نگاری کی ابتدا طنز و مزاح کے اس رجحان سے ہوئی جو عوامی جذبات کی ترجمانی کرتا تھا اس کی بنیاد برصغیر کے ابتدائی اخبارات میں رکھی گئی، جیسا کہ:

"اودھ پنچ کی ڈالی ہوئی اس بنیاد پر آگے چل کر بلند و بالا عمارت تعمیر ہوئی۔۔۔"(18)

یہ اخبارات نہ صرف مزاحیہ کالموں کے ذریعے قاری کو محظوظ کرتے تھے بلکہ سیاسی شعور بھی اجاگر کرتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان نے اس روایت کو تقویت دی۔ ان میں مولانا آزاد کے "افکار و حوادث"، جو الہلال میں شائع ہوتا تھا، کو فکاہیہ کالم نگاری کی بنیاد کہا جا سکتا ہے:

"الہلال مولانا ابوالکلام آزاد کا پرچہ تھا جس میں وہ افکار و حوادث' کے نام سے بقلم خود کالم

لکھتے تھے۔۔۔"(19)

ان کالموں میں طنز ومزاح کے ذریعے حکومت وقت پر تنقید کی جاتی تھی،اور عوامی مسائل کو زبان دی جاتی تھی۔ بعد ازاں دیگر کالم نگار جیسے چراغ حسن حسرت،شوکت تھانوی،حاجی لق لق، نصر اللہ خان اور ابن انشاء نے فکاہیہ کالم کو ادبی شان دی۔

"انھوں نے فکاہی کالم نگاری کو جلا بخشی اور اپنی شگفتہ تحریروں کے ذریعے قارئین کے اذہان کو فرحت آمیز کیا۔"(20)

یہ اقتباس ان کالم نگاروں کے معاشرتی وادبی اثر کو ظاہر کرتا ہے۔وحید الرحمن ادبی کالم نگار کے بارے میں لکھتے ہیں؛

"ادبی کالم سے مراد اخبار میں شائع ہونے والی وہ بے ساختہ تحریر ہے جس کا موضوع سراسر ادبی ہو ظاہر ہے کہ موضوع کے ساتھ ساتھ اس کا اسلوب بھی ادبیانہ ہونا چاہیے ادبی اسلوب اور ادبی موضوع کے امتزاج واشتراک سے جو تحریر وجود میں آتی ہیں انہیں صحافت نہیں ادب کا حصہ شمار کیا جانا چاہیے"۔(21)

ابتدائی دور میں اردو صحافت محض اظہارِ رائے کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک انقلابی تحریک کا حصہ تھی، جہاں لکھنے والا اکثر حکومت وقت، سماجی ناہمواریوں،اور اخلاقی گراوٹ پر براہ راست تنقید کرتا تھا۔ایسے میں اپنا اصل نام ظاہر کرنا خطرے سے خالی نہ تھا، کیونکہ سنسر شپ، قانونی کارروائی، گرفتاری اور قید وبند کی صعوبتیں کالم نگار کے تعاقب میں رہتی تھیں۔اس کے علاوہ اس وقت صحافت ایک غیر منافع بخش اور محدود دائرہ کار والی سرگرمی سمجھی جاتی تھی جس میں کالم نگار کی شہرت کو وہ اہمیت حاصل نہ تھی جو آج ہے۔مؤرخین کے مطابق اردو کالم کی ابتدا میں کالم نگار کا نام اکثر ظاہر نہیں کیا جاتا تھا:

"چنانچہ پہلے پہل شائع ہونے والے کالموں پر نام موجود نہیں ہوا کرتے تھے یا پھر فرضی نام ہوتے تھے۔۔۔"(22)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں کالم نگاری کو انفرادی تشہیر کی بجائے قومی خدمت سمجھا جاتا تھا۔لیکن جیسے جیسے صحافت نے تجارتی اور ادارہ جاتی شکل اختیار کی،کالم نگار کا نام بھی شہرت اور اثر کا ذریعہ بن گیا۔کالم نگار کا مقصد ذاتی تشہیر نہیں بلکہ نظریے کی ترویج،اصلاحِ احوال،اور طنز ومزاح کے ذریعے قاری کو جھنجھوڑنا ہوتا تھا۔اس لیے وہ اپنی شناخت چھپا کر بھی اپنی بات کو قوت اور صداقت کے ساتھ پیش کرتے تھے۔رفتہ رفتہ جیسے جیسے صحافت نے پیشہ ورانہ اور تجارتی شکل اختیار کی،کالم نگاری ایک مستقل صنف کے طور پر ابھری اور کالم نگاروں کی شہرت بھی قاری کے اعتماد کا باعث بننے لگی،تو قلمی ناموں کی جگہ اصلی ناموں نے

لے لی۔ مگر ابتدائی دور کا یہ رجحان ایک طرح سے اس بات کا مظہر ہے کہ کالم نگار کی اہمیت اس کے خیالات میں تھی، نہ کہ اس کے نام میں۔

نصر اللہ خان کی فکاہیہ کالم نگاری کی خاص بات ان کی علامتی زبان، جرآت مندانہ اسلوب اور سماجی شعور ہے۔ ان کے کالم صرف ہنسانے کے لیے نہیں ہوتے بلکہ سنجیدہ سماجی، سیاسی اور اخلاقی مسائل کو علامتوں، استعاروں اور طنز کے پیکر میں قاری تک پہنچاتے ہیں۔ نصر اللہ خان کا شہرۂ آفاق کالم "کراچی شہر کی بھینسوں کی درخواست "طنز و مزاح کی علامتی روایت کا شاہکار ہے۔ اس کالم میں بھینسوں کو شہر بدر کرنے کے سرکاری فیصلے کو جواز بنا کر میونسپل کارپوریشن جیسے ناقص اداروں پر شاندار طنز کیا گیا:

> "اگر حضور کراچی سے بھینسوں کو اس لیے نکال رہے ہیں کہ وہ گندگی پھیلاتی ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بھینسوں کے ساتھ ساتھ کارپوریشن کو بھی کراچی سے ہانک دیا جائے۔"(23)

یہ اقتباس صرف ایک طنزیہ جملہ نہیں بلکہ ایک مکمل احتجاجی بیانیہ ہے۔ نصر اللہ خان نے "ہانک دیا جائے" جیسی سادہ اصطلاح کو ایک سماجی علامت میں بدل دیا۔ یہاں بھینسیں ایک طرف مظلوم عوام کی نمائندہ ہیں، اور کارپوریشن ادارہ جاتی بددیانتی کا استعارہ۔ عہد حاضر میں کالم اسی وجہ سے مقبول ہے کہ اس میں ہر موضوع پر بات کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر وحید خان کالم کی مقبولیت کے بارے میں لکھتے ہیں؛

> "دور حاضر میں کالم کی صنف نے بہت مقبولیت حاصل کی ہے اس کی ایک وجہ تو اس صنف کا مزاج ہے جو بے تکلفی سے عبارت ہے اور جس سے اس کے مطالعگی میں اضافہ ہوتا ہے دوسرا سبب اس صنف کے دامن کی وسعت ہے جس میں ہر موضوع کو جائے بیان مل جاتی ہے"۔(24)

مارشل لا کے دور میں جب سنسر بورڈز کے ذریعے صحافت کا گلا گھونٹا جا رہا تھا، نصر اللہ خان نے "اخبار پہنیے اور پڑھیے" جیسے کالم لکھ کر ریاستی جبر پر کھلے الفاظ میں تبصرہ کیا:

> "اخبار روز نامہ نائیلون، ہفت روزہ کیرولین، ماہنامہ سائن خریدیے، پڑھیے اور پہنیے!"(25)

یہ طنز اس درجے کا گہرا ہے کہ قاری ایک لمحے کو مسکرا اٹھتا ہے، لیکن فوراً اس کے پس پردہ صحافت کی حالتِ زار کو

محسوس بھی کرتا ہے۔ یہ نصر اللہ خان کی اس فنی مہارت کا نتیجہ ہے جس میں طنز، مزاح اور سنجیدگی ایک ساتھ ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔اسی طرح ان کا کالم "سنسر صاحب" اس ماحول کی عکاسی کرتا ہے جب صحافت کو دبایا جارہا تھا:

"ہم یہ انداز سعدی گلستانی چڑیا چڑے کے قصے کہانیاں لکھتے رہے اور نتیجہ نکالنا ان کہانیوں کا اپنے قارئین پر چھوڑتے رہے۔"(26)

یہ اقتباس اس منفرد طرزِ تحریر کی طرف اشارہ کرتا ہے جو استبدادی ادوار میں صحافیوں اور کالم نگاروں نے اختیار کیا۔ جب براہ راست اظہارِ رائے پر قدغنیں عائد تھیں اور سنسر شپ کی تلوار ہر سچ بولنے والے کے سر پر لٹکتی رہتی تھی، تب نصر اللہ خان جیسے باخبر اور جرأت مند قلم کاروں نے علامتی زبان، قصے کہانیوں اور طنز و مزاح کے پردے میں حقائق بیان کرنے کا ہنر اختیار کیا۔ وہ نہایت مہارت سے چڑیا اور چڑے کی معصوم کہانیوں کے ذریعے معاشرتی برائیوں، حکومتی ناانصافیوں، اور سیاسی جبر کی تصویر کھینچ دیتے اور قاری کو یہ موقع فراہم کرتے کہ وہ بین السطور پوشیدہ پیغام کو سمجھ کر خود اس کا مطلب اخذ کرے۔ یہ انداز صرف بچ نکلنے کا راستہ نہ تھا بلکہ ایک فکری تربیت کا طریقہ تھا، جس میں قاری کو محض خبریں نہیں دی جاتیں بلکہ سوچنے، پرکھنے اور نتیجہ اخذ کرنے کا شعور بھی منتقل کیا جاتا۔ اس اسلوب میں سعدی کی گلستان جیسی حکایات کا اثر بھی جھلکتا ہے جہاں بظاہر سادہ بیانیہ ایک گہرا اخلاقی یا سیاسی مفہوم لیے ہوتا ہے۔ نصر اللہ خان اور ان جیسے دوسرے کالم نگاروں کا یہ انداز دراصل اس ذہانت اور تخلیقی جُہد کا غماز ہے جس کے ذریعے انھوں نے اظہار کی آزادی کو ممکن بنایا، چاہے حالات کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔ نصر اللہ خان کے کالموں کا ایک نمایاں وصف ان کا زبان پر عبور ہے۔ وہ اشعار، فلمی گانوں، محاورات اور الفاظ کی تحریف کے ذریعے مزاح پیدا کرتے تھے۔

انھوں نے اردو شاعری کے معروف اشعار کو نہایت ذہانت اور برجستگی کے ساتھ بدل کر ایک ایسا طنزیہ اور مزاحیہ پیرایہ اختیار کیا جو نہ صرف قاری کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا ہے بلکہ گہرے سماجی و سیاسی تناظر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ ان تحریفات کے ذریعے وہ اس بات کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں کہ طنز و مزاح نہ صرف تفریح کا ذریعہ ہو سکتے ہیں بلکہ شعور کی بیداری کا موثر ہتھیار بھی ہیں۔ نصر اللہ خان کی یہ فنی چالاکی نہ صرف قاری کو محظوظ کرتی ہے بلکہ اسے موجودہ حالات پر غور کرنے پر بھی آمادہ کرتی ہے۔ ان کے ہاں خود ساختہ الفاظ و تراکیب بھی مزاح کا ذریعہ بنتی ہیں۔

ان کے کالموں میں برمحل طنز، چست محاورے، برجستہ جملے، اور ادبی لطافت ایسی خوبیوں سے بھرپور ہوتے ہیں جو کسی سنجیدہ موضوع کو بھی قاری کے لیے دلچسپ بنا دیتے ہیں۔ نصر اللہ خان کی شخصیت ایک ''عہد'' تھی جس میں اردو ادب، صحافت، سیاست اور معاشرتی شعور یکجا تھا:

"ان کے پاس ہر موضوع پہ معلومات کا خزانہ تھا، ان کا علم حاضر بھی تھا اور وسیع بھی تھا۔۔۔
انھوں نے اپنے پیشے اور اپنے قلم سے انصاف کیا۔"(27)

یہ اعتراف نہ صرف ان کی تخلیقی عظمت کا اظہار ہے بلکہ اردو کالم نگاری میں ان کی انفرادیت کو تسلیم کرنے کا اشارہ بھی۔ نصراللہ خان ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جن کے پاس ہر موضوع پر معلومات کا خزانہ موجود تھا۔ ان کا مطالعہ نہایت وسیع اور مشاہدہ بے حد گہرا تھا، جس کی جھلک ان کی تحریروں میں بارہا نظر آتی ہے۔ ان کا علم صرف کتابی نہیں تھا بلکہ ایک زندہ، متحرک اور تازہ دم علم تھا، جو زمانے کے بدلتے ہوئے مزاج کے ساتھ ہم آہنگ بھی رہتا تھا۔ وہ روزانہ کالم لکھنے والوں میں سے تھے، اس لیے بعض اوقات ان کی تحریروں میں موضوعات کی تکرار یا الفاظ کی بازی گری زیادہ محسوس ہوتی، لیکن اس معمولی سی کمی کو ان کی مجموعی صحافتی دیانت داری اور قلم کی امانت داری کے مقابلے میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

نصراللہ خان کا طنز شگفتہ، نرم خو، باوقار اور ادبی شعور سے لبریز ہوتا ہے۔ وہ قاری کو طنز و مزاح کے ذریعہ حقیقت سے روشناس کراتے ہیں، بغیر اس کے کہ اس کی دل آزاری ہو۔ ان کے کالم قاری کے چہرے پر تبسم بکھیرتے ہیں اور دماغ میں سوال بھی چھوڑتے ہیں۔ نصراللہ خان کی فنی خوبی یہ تھی کہ وہ روزمرہ کے عام مسائل کو بھی غیر معمولی بنا دیتے تھے۔

یہ لطیفہ نہ صرف قہقہہ خیز ہے بلکہ معاشرتی بدگمانی، رسم و رواج کی پیچیدگی اور مزاحیہ غلط فہمی کی بہترین مثال ہے۔

نصراللہ خان نہ صرف فکاہیہ کالم نگار تھے بلکہ اعلیٰ درجے کے خاکہ نگار بھی تھے۔ ان کی خاکہ نگاری میں صرف شخصیت کا ظاہری تعارف نہیں بلکہ عہد کی روح، تہذیب، اور تاریخ کا عکس بھی موجود ہوتا ہے۔ نصراللہ خان نے زیڈ اے بخاری جیسے عظیم ادبی و ثقافتی شخصیت پر خاکہ لکھتے ہوئے لکھا:

"جب بخاری صاحب زندہ تھے تو ریڈیو پاکستان شاعروں، ادیبوں، موسیقاروں اور آرٹسٹوں
کی آماجگاہ تھا۔۔۔ بخاری نہ رہے تو اداروں کا سہاگ اجڑ گیا۔"(28)

یہ اقتباس بتاتا ہے کہ نصراللہ خان کے خاکے محض سوانحی بیان نہیں بلکہ دلی جذبات اور عہد کی کہانی ہوتے ہیں۔ نصراللہ خان نے شورش کاشمیری کی خطابت اور سیاسی و صحافتی شعور کو سراہتے ہوئے ان الفاظ کو نقل کیا:

"میری کرپان میں اتنی تیزی نہیں جتنی شورش کی زبان میں ہے۔"(29)

یہ تحریر نہ صرف شورش کے کلام کی کاٹ کو ظاہر کرتی ہے بلکہ نصراللہ خان کے ادبی ذوق اور بصیرت کا بھی پتا دیتی ہے۔ نصراللہ خان کے خاکے صرف افراد پر نہیں بلکہ عہد کی سیاست، جدوجہد، اور تحریکوں کی جھلک بھی دکھاتے ہیں۔ بھگت سنگھ

کی پھانسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب بھگت سنگھ کو پھانسی دی جا رہی تھی، تو میں اور شورش ایک ساتھ تھے۔۔"(30)

یہ بیان محض ایک واقعہ نہیں بلکہ نصر اللہ خان کی تاریخی آگہی اور سیاسی شعور کا عکاس ہے۔ ان کے خاکے، واقعات اور شخصیات کو زندہ جاوید بنا دیتے ہیں۔

نصر اللہ خان نے زبان و بیان کی اس مہارت کو اس انداز سے برتا کہ ان کی تحریریں نہ صرف مزاحیہ کالم کے طور پر مقبول ہوئیں بلکہ انہیں ایک منفرد اسلوب رکھنے والے ادیب کے طور پر بھی تسلیم کیا گیا۔ ان کی تحریر میں جو شگفتگی پائی جاتی ہے، وہ کسی سطحی یا ہلکے پھلکے طنز پر مبنی نہیں بلکہ اس میں فکری گہرائی، سماجی شعور اور ادبی سلیقہ بھی موجود ہوتا ہے۔ یہی خوبیاں ہیں جنھوں نے ان کے کالموں کو وقتی تفریح سے نکال کر اردو ادب کی مستقل میراث بنا دیا۔ ان کے اس منفرد اسلوب کی وجہ سے انہیں اردو صحافت اور فکاہیہ نثر میں ایک معتبر اور صاحبِ اسلوب مقام حاصل ہوا۔ یاسمین سلطانہ فاروقی بھی لکھتی ہیں:

"ان کی تحریر کی شگفتگی اور روانی نے قارئین کو نہ صرف ان کی طرف متوجہ کیے رکھا بلکہ ایک صاحبِ اسلوب کالم نگار کی پہچان بھی دی۔"(31)

نصر اللہ خان کی تحریر کی ایک اہم خصوصیت ان کی جرأت مندی اور بے باکی تھی۔ وہ کسی مصلحت، دباؤ یا خوف کا شکار ہوئے بغیر اپنی بات کہنے کا ہنر رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک سچائی ہی وہ معیار تھی جس پر کسی بھی رائے یا موقف کی بنیاد رکھی جاتی تھی۔ اسی لیے وہ جس بات کو درست اور حق سمجھتے، بلا جھجک اسے بیان کر دیتے۔ ان کا قلم کسی قسم کی مصلحت کوشی یا خوشامد کا شکار نہ ہوتا، بلکہ وہ اپنی صاف گوئی اور اصول پسندی کے لیے مشہور تھے۔ ان کا یہی وصف ان کی شخصیت کو دیگر لکھاریوں سے ممتاز کرتا ہے۔ نہ وہ کسی سیاسی وابستگی کے اسیر ہوئے، نہ کسی طبقاتی دباؤ کا شکار، بلکہ ان کی تحریریں حق گوئی، دیانت داری اور غیر جانبداری کا مظہر تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قارئین نہ صرف ان کی باتوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ ان پر اعتماد بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر یاسمین سلطانہ فاروقی لکھتی ہیں:

"انھوں نے جس بات کو جہاں حق تصور کیا کہہ دیا۔"(32)

نصر اللہ خان ایک جری، نڈر اور بااصول صحافی اور کالم نگار تھے جنھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے ہمیشہ حق اور سچ کا ساتھ دیا۔ وہ محض تماشائی نہیں تھے بلکہ ایک فعال اور ذمہ دار فکری کردار کے حامل لکھاری تھے جو اپنے قلم کو عوام کی آواز بنانے میں یقین رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں، جب آمرانہ یا جابرانہ طرزِ حکومت قائم تھا، کسی خوف یا لالچ کے

بغیر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کا قلم کسی طاقتور کے سامنے جھکا نہیں بلکہ ہمیشہ ظلم، ناانصافی، کرپشن، اور آمریت کے خلاف مزاحم رہا۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

"میں نے ایوب خان، یحییٰ خان، ضیاالحق، ذوالفقار علی بھٹو کے ادوار میں حکومت کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور اصلاح کے لیے سخت سے سخت کالم لکھے۔"(33)

اس اقتباس سے نصر اللہ خان کی فکری جرأت، سیاسی بصیرت اور صحافتی دیانت داری کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف حکومتوں کی کوتاہیوں پر نظر رکھتے بلکہ اصلاح کے جذبے سے سرشار ہو کر ان کے خلاف آواز بلند کرتے۔ ان کے کالم صرف تنقید برائے تنقید نہیں ہوتے تھے بلکہ ان میں ایک سنجیدہ فکری اپروچ، عوامی مسائل کا شعور، اور اصلاحی پہلو غالب ہوتا تھا۔ ان کی تحریریں وقت کے حکمرانوں کے لیے آئینہ بن جاتی تھیں، جن میں نہ صرف ان کی پالیسیاں بلکہ ان کے طرز حکومت کا غیر جانبدارانہ جائزہ بھی پیش کیا جاتا تھا۔ نصر اللہ خان کا یہی انداز انہیں اردو صحافت کے ان معدودے چند شخصیات میں شامل کرتا ہے جنہوں نے اپنے وقت کے سیاسی طوفانوں میں سچ کا علم بلند رکھا اور عوام کے حق میں حکمرانوں کو بے خوف ہو کر آئینہ دکھایا۔

نصر اللہ خان کی نثر صرف کاغذ تک محدود نہ تھی بلکہ ان کی زبان و بیان کی چاشنی اور فصاحت بھی اسی قدر پراثر، برجستہ اور دلکش تھی۔ ان کے لب و لہجے میں وہی روانی، لطافت، برجستگی اور دلپذیری تھی جو ان کی تحریروں کی خاص شناخت بنی۔ وہ بولتے تھے تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے کوئی عمدہ نثر پڑھ کر سنائی جا رہی ہو۔ ان کی گفتگو میں سنجیدگی اور ظرافت کا ایسا حسین امتزاج ہوتا تھا کہ سننے والا محظوظ بھی ہوتا اور سوچنے پر بھی مجبور۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مداح اور قارئین ہی نہیں بلکہ ان کے قریبی احباب اور ہم عصر ادیب بھی ان کی گفتار کے اس اسلوب سے بے حد متاثر تھے۔

ان کی زبان دانی، برجستگی، اور جملہ سازی کی مہارت ایسی تھی کہ وہ بولتے ہوئے بھی ایک ادبی تجربہ فراہم کرتے۔ ان کی گفتگو میں جو شگفتگی اور معنویت تھی، وہ سامعین کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتی۔ یہی خوبی ان کے اسلوب کو ہمہ گیر اور ہمہ جہت بناتی ہے۔ وہ کالم نویس بھی تھے، مقرر بھی، اور بیک وقت ایک زندہ ادبی تجربہ۔ ان کے کالمز جہاں سنجیدہ سیاسی و سماجی موضوعات پر روشنی ڈالتے تھے، وہیں ان کی گفتگو بھی مجلس کا رنگ بدل دیتی تھی، اور ادبی ذوق رکھنے والوں کے لیے ذہنی غذا کا سامان مہیا کرتی تھی۔

نصر اللہ خان کی ادبی خدمات صرف تحریری صحافت تک محدود نہ تھیں بلکہ وہ معاشرتی اصلاح اور تعلیمی بیداری کے لیے عملی میدان میں بھی سرگرم نظر آتے ہیں۔ ان کا شمار ان دانشوروں میں ہوتا ہے جنہوں نے تعلیم کو قومی ترقی کی بنیاد سمجھا اور اسے

محض نظری سطح پر نہیں بلکہ عملی طور پر بہتر بنانے کے لیے بھی کوششیں کیں۔ان کی تحریروں میں تعلیم کے مختلف پہلو، جیسے نظام تعلیم کی خامیاں، تعلیمی اداروں کی زبوں حالی، اساتذہ کے مسائل، طلبہ کے تعلیمی مسائل اور حکومتی پالیسیوں پر گہری تنقید اور اصلاحی تجاویز شامل تھیں۔وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ایک مضبوط اور باشعور معاشرہ اسی وقت تشکیل پا سکتا ہے جب تعلیمی نظام منصفانہ، معیاری اور عام فہم ہو۔اسی لیے انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے تعلیمی اداروں کی طرف توجہ مبذول کروائی اور تعلیمی پسماندگی کے اسباب پر روشنی ڈالی۔یاسمین سلطانہ فاروقی بھی لکھتی ہیں:

"انھوں نے تعلیم کے لیے عملی طور پر بھی کام کیا اور اپنے کالموں کے ذریعے بھی تعلیم اور اس سے متعلق مسائل پر قلم اٹھایا۔"(34)

اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی فکر صرف تنقید پر مبنی نہ تھی بلکہ وہ اصلاح کے جذبے سے بھی سرشار تھے۔انھوں نے کئی تقریبات میں تعلیمی موضوعات پر لیکچر دیے، سیمینارز میں شرکت کی، اور طلبہ و طالبات کی رہنمائی کے لیے مختلف علمی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ان کے کالموں میں تعلیم سے متعلق مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے نہ صرف حکومتی بے حسی پر سوال اٹھائے گئے بلکہ والدین، اساتذہ اور خود طلبہ کی ذمہ داریوں پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ان کی یہی ہمہ جہت وابستگی تعلیم کے ساتھ ان کے حقیقی اصلاح پسند ہونے کا ثبوت ہے، اور یہ پہلو ان کے کالم نگاری کے اسلوب کو دوسروں سے منفرد بناتا ہے۔

نصر اللہ خان کا شمار ان قلم کاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو صحافت کو نہ صرف جِلا بخشی بلکہ طنز و مزاح کے میدان میں ایک نئی راہ متعین کی۔ان کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا استقامت سے بھرپور طویل ادبی سفر ہے۔وہ اردو کے واحد فکاہیہ کالم نگار تھے جنھوں نے تقریباً پچاس برس تک بلا تعطل کالم نگاری کی اور یہی وہ پہلو ہے جو ان کی صحافتی خدمات کو ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔اردو صحافت میں کالم نگاری ایک تخلیقی اور فکری سرگرمی سمجھی جاتی ہے، جس میں تسلسل برقرار رکھنا ایک کٹھن کام ہے، خاص طور پر طنز و مزاح جیسے نازک اور فنکارانہ اسلوب میں۔لیکن نصر اللہ خان نے اس چیلنج کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اسے کامیابی سے نبھایا۔ان کی تحریروں میں جو تسلسل، تنوع اور تازگی ملتی ہے، وہ نصف صدی تک جاری رہنے والے ادبی سفر کی مظہر ہے۔ان کی فکاہیہ کالم نگاری میں طنز کی کاٹ اور مزاح کی شگفتگی یوں گھلی ملی ہوتی ہے کہ قاری نہ صرف محظوظ ہوتا ہے بلکہ سوچنے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔یاسمین سلطانہ فاروقی بھی لکھتی ہیں:

"وہ واحد فکاہیہ کالم نویس ہیں جنھوں نے کم و بیش نصف صدی تک مسلسل کالم نویسی کی۔"(35)

تو یہ محض تعریفی جملہ نہیں بلکہ ان کی ادبی محنت، مسلسل مطالعے، مشاہدے، اور وقت کی نبض کو پہچاننے کی صلاحیت کا اعتراف بھی ہے۔ اس مسلسل اور پر اثر کالم نگاری نے ان کا نام اردو ادب کے سنہرے باب میں ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا ہے۔ ان کی تحریریں نہ صرف ان کے عہد کا آئینہ ہیں بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے طنز و مزاح کی کامیاب روایت کا ایک مثالی نمونہ بھی۔ نصر اللہ خان کی شخصیت محض ایک طنز و مزاح نگار تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ ایک حساس دل رکھنے والے انسان بھی تھے جنھوں نے زندگی کے نشیب و فراز کو نہایت حوصلے اور وقار کے ساتھ جھیلا۔

نصر اللہ خان نے اپنی نجی زندگی کی تلخیوں کو کبھی اپنے تخلیقی سفر میں رکاوٹ بننے نہ دیا، بلکہ اسی درد کو مثبت انداز میں اپنی تحریروں میں ڈھال کر قاری کو ہنسی کے ذریعے زندگی کی حقیقتوں سے روشناس کرایا۔ ایسے جملے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ان کی فکاہیہ تحریریں محض مزاح کا پیکر نہیں بلکہ ایک حساس دل کے گہرے مشاہدات اور ذاتی تجربات کا عکس ہیں، جن میں انسان دوستی، خاندانی رشتوں کی اہمیت، اور جذباتی سچائی کا رنگ بھی شامل ہے۔

نصر اللہ خان کا ماننا تھا کہ ایک صحافی کو ذاتی وابستگیوں، سیاسی جھکاؤ، یا نظریاتی تعصبات سے بالاتر ہو کر سچ لکھنا چاہیے۔ جب صحافی کسی جماعت، فرد یا نظریے کا حامی بن جاتا ہے تو وہ غیر محسوس طریقے سے حقیقت کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے لگتا ہے، جس سے صحافت کا اصل مقصد ـــــ یعنی عوام تک غیر جانبدار اور سچی معلومات پہنچانا ـــــ بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ سچائی، دیانت داری، اور انصاف پسندی صحافی کے اوصاف میں شامل ہونے چاہئیں۔ جب کوئی صحافی کسی خاص سمت جھک جاتا ہے تو وہ ان اوصاف سے محروم ہو جاتا ہے، اور اس کی تحریر اپنے مقصدِ اصلی سے ہٹ جاتی ہے۔ اس کی رپورٹنگ، کالم یا تجزیہ عوامی مفاد کی بجائے ذاتی یا گروہی مفاد کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ نصر اللہ خان خود اپنی تحریروں میں غیر جانبداری کے علم بردار تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر حکومت، ہر سیاسی شخصیت، اور ہر ادارے پر تنقید کرتے رہے جہاں انھیں غلطی نظر آئی ـــــ چاہے وہ ایوب خان کا دور ہو، ضیاء الحق کی آمریت، یا بھٹو کا عوامی طرزِ حکومت۔ ان کا ضمیر کسی وقتی فائدے یا وابستگی کا پابند نہیں تھا۔ یہی صحافتی دیانت انہیں اپنے عہد کے دیگر کالم نگاروں سے ممتاز بناتی ہے۔

نصر اللہ خان نے اپنی عملی زندگی میں معلم کے طور پر خدمات انجام دیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف قلم سے ہی نہیں بلکہ عمل سے بھی تعلیم کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔ ان کا ماننا تھا کہ مدرس کا اصل کام محض نصابی مواد کی ترسیل نہیں بلکہ سیکھنے کے جذبے کو بیدار کرنا، سوچنے کی صلاحیت پیدا کرنا، اور معاشرتی شعور اجاگر کرنا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں بھی تعلیمی مسائل کو اجاگر کیا، اساتذہ کی حالت، طلبہ کی ضروریات، اور تعلیمی پالیسیوں کی خامیوں کی نشاندہی کی۔

"وہ تعلیم کے شعبے میں بہت کچھ کرنا چاہتے تھے... مدرس کا کام معلومات کو طلبا میں منتقل کرنا ہے... نصراللہ خان بھی معلم کے عہدے پر فائز رہے۔"(36)

ان کی یہ سوچ اس بات کی مظہر ہے کہ وہ استاد کو محض ایک پیشہ ور نہیں بلکہ قوم کا معمار سمجھتے تھے:

"کالم نویس حالات حاضرہ کا تجزیہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر تبصرہ کر کے اخلاقی اقدار بھی یاد دلاتے رہتے ہیں اور قارعین کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہیں"۔(37)

یہی وجہ ہے کہ تعلیم ان کے کالموں میں بھی ایک مرکزی موضوع رہا اور انہوں نے اصلاحِ تعلیم کو ہمیشہ قومی ترقی کا بنیادی ستون قرار دیا۔ لہٰذا یہ اقتباس نصراللہ خان کی زندگی کے اس گوشے کو سامنے لاتا ہے جہاں وہ استاد، مربی اور تعلیمی مفکرّ کے روپ میں بھی نظر آتے ہیں اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کی خدمات کا دائرہ محض صحافت تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ علم، فکر، اور تربیت کے وسیع تر میدانوں میں سرگرمِ عمل رہے۔ نصراللہ خان کی مزاح نگاری میں تہذیب، شائستگی اور ادب کا پہلو ہمیشہ نمایاں رہا۔ وہ کالم نگار سے زیادہ ایک مربی، معلم اور اصلاح پسند تھے۔

ڈاکٹر یاسمین فاروقی کی یہ کتاب صحافتی ادب کے حوالے سے اہم پیش رفت ہے۔ "فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان" نصراللہ خان کی کالم نگاری کے ناقدانہ تجزیے کی مثال ہے جس سے نصراللہ خان کی کالم نگاری کے محاسن قارئین کے سامنے واہوتے ہیں

حوالہ جات

1. ڈوگر، محمد اسلم، فیچر، کالم اور تبصرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان 1998ص 23
2. یاسمین سلطانہ فاروقی، ڈاکٹر، فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان، ص 32
3. ایضاً، ص 15
4. ایضاً، ص 15
5. محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) کرچی پبلیکیشنز، 1980، ص 304
6. یاسمین سلطانہ فاروقی، ڈاکٹر، فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان، ص 16
7. ایضاً، ص 32
8. ایضاً، ص 30

9. ایضاً،ص32
10. ایضاً،ص54
11. ایضاً،ص55
12. محمد عتیق صدیقی،ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) کرچی پبلیکیشنز،،1980ص،27
13. یاسمین سلطانہ فاروقی،ڈاکٹر،فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان،ص54
14. ایضاً،ص59
15. ایضاً،ص60
16. ایضاً،ص60
17. ایضاً،ص60
18. ایضاً،ص75
19. ایضاً،ص75
20. ایضاً،ص76
21. وحیدالرحمٰن خان،ڈاکٹر،خامہ بگوش۔۔۔ایک مطالعہ،کراچی:اکادمی بازیافت،2002،ص18
22. یاسمین سلطانہ فاروقی،ڈاکٹر،فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان،ص76
23. ایضاً،ص99
24. وحیدالرحمن،ڈاکٹر،خامہ بگوش،ایک مطالعہ کراچی:اکادمی بازیافت،2006ص18
25. یاسمین سلطانہ فاروقی،ڈاکٹر،فکاہیہ کالم نگاری اور نصراللہ خان،ص100
26. ایضاً،ص100
27. ایضاً،ص219
28. ایضاً،ص322
29. ایضاً،ص323
30. ایضاً،ص323

31. ایضاً، ص15
32. ایضاً، ص32
33. ایضاً، ص34
34. ایضاً، ص32
35. ایضاً، ص15
36. ایضاً، ص32
37. ڈوگر، محمد اسلم، فیچر کالم اور تبصرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1998، ص13